Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

بابربیتی زمانے جو خواب ہوئے" کی‌سیاسی وسماجی بنیادیں

The political and social foundations of Babur Beeti, Zamany Jo Khawab Huay

Imran Khaliq
PhD Scholar, NCBA&E Multan Campus
imran.khaliqbzu@gmail.com

Dr. Rafia Malik
Assistant Professor, NCBA&E Multan Campus
rafiamalik7151@gmail.com

ABSTRACT

Babur Beeti, Zamany Jo Khawab Huay" is the autobiographical memoir of Babur Hassan Bharwana, a renowned Pakistan writer, educationist and civil servant. This book is much more than a personal life story. He belongs to a prominent political family of Jhang. He authored his autobiography in Urdu, in which he presents a comprehensive analysis of Pakistani society, rural life, the education system, language, culture, and politics. In his memoir, he portrays the political and social conditions of the 20th century. Hailing from a village in Jhang, his autobiography vividly reflects familial and rural life. He highlights the struggles and challenges faced by the middle class and sheds light on their perseverance. He also describes the lifestyle of landlords and shares his personal experiences related to the education system, narrating its decline. The book discusses the disintegration of cultural values and explores the feudal politicians' approach to politics. He addresses linguistic and democratic contradictions and provides insights into his professional life. The memoir also reflects on authoritarian governments and explains how corruption has weakened the state. Through this work, he attempts to present a complete picture of the system. His autobiography is based on his personal life, professional experiences, educational and social observations, and national circumstances. His writing is marked by simplicity, depth of thought, and honesty.
Keywords: Khawab, autobiography, lifestyle, educational

آپ بیتی اردو ادب کی وہ صنف ہے جس میں مصنف اپنی ذاتی زندگی کے حالات و واقعات،تجربات اور جذبات کو خود بیان کرتا ہے۔ وہ حالات بیان کرتا ہے جس کا وہ عینی شاہد ہے یا ان کا سامنا اس نے خود کیا ہے ۔وہ واقعات جو اس کے ذاتی زندگی یا پیشہ ورانہ زندگی میں پیش آئے ۔اس کی تحریر اس کے جذبات کی

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

بھی عکاسی کرتی ہے۔ وہ اپنی تحریر کے ذریعے آپنے تجربات لوگوں کے سامنے لاتا ہے۔ِ" بابر بیتی، زمانے جو خاک ہوئے" ایک بیوروکریٹ بابر حسن بھروانہ کی آپ بیتی ہے۔ وہ جھنگ کے سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی اس کتاب میں ان کے گاؤں ،ذاتی و پیشہ ورانہ زندگی کا ذکر ہے۔

بابر حسن بھروانہ کی آپ بیتی" بابر بیتی ،زمانے خواب ہوئے" سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۲۰۲۱ میں شائع کی۔ انہوں نے اپنی کتاب کا خاندانی پس منظر سے اغاز کیا ہے۔ انہوں نے بچپن ،ابتدائی تعلیم، اپنے شہر جھنگ کا تعارف ،گاؤں، گورنمنٹ کالج ،ماں ،قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد ،سول سروس اکیڈمی، ملتان ،فارن سروس، اے سی کلاچی ،موسیقی، لیہ ،ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ ،خالہ غلام زہرہ،بھکر، اوکاڑا ،فیصل آباد، حاجی ممتاز حسین ،بلدیاتی الیکشن ،خوشاب ،پاروباجی ،محکمہ انہار ،وہاڑی ،تبادلہ، سیکرٹری آپاشی ،سیکرٹری فارسٹ ،وائلڈ لائف، فشریز ،ملک علی محمد اعوان ،بورڈ آف ریونیو ،اکستان انجینئرنگ کمپنی ،سٹاف کالج، مہر ظفر اللہ، چیف سیٹلمنٹ کمشنر ،فیڈرل سیکٹریٹ اسلام آباد، وزیراعظم پاکستان نواز شریف ،پانامہ ،حج بیت اللہ ،فیڈرل سیکرٹری ،منسٹری آف ہاؤسنگ اینڈ ورکس اور فارمنگ سب کا الگ الگ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔
یہ آپ بیتی پاکستان کے سیاسی اور انتظامی نظام کی وہ تصویر دکھاتی ہے جو اج تک عوام کو دکھائی نہیں دی ۔اس میں دفاتر کا نظام بیوروکریسی کے اختیارات اور سیاسی لوگوں کا دباؤ ہر طرح کے معاملات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ۔بابر حسن بھروانہ چونکہ خود بھی ایک سیاسی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے،وہ سیاست دانوں کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے ،ان کے چچا زاد بھائی مہر ظفر اللہ سیاست میں بہت متحرک تھے۔ مصنف ان کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

> " ریلوے اسٹیشن کی طرف سے شہر کو آتے ہوئے ریلوے افسران کی رہائش گاہ کے بعد ہمارے دادا کا گھر تھا (اس دور میں آمد و رفت کا سب سے بڑا ذریعہ ریلوے تھی)جس کے گیٹوں پر مکھیانہ ہاؤس لکھا ہوتا لیکن پورے شہر میں میرے چچا زاد بھائی مہر ذظفر اللہ کے نام سے منسوب تھا جو غالبا ۱۹۶۰۔۶۱ ء میں وہاں آئے اور اپنی وفات (۲۰۱۴) تک اس کے مکین رہے ۔مہر ظفر اللہ کی وساطت سے اس گھر نے بہت کچھ دیکھا ۔وزیراعلی پنجاب ،چیئرمین سینٹ ،سیاستدان ،سرکاری افسران، پیر ،فقیر، بڑے سے بڑا ذمہ دار اور غریب کسانوں یا مزدور وں کی آمد و رفت کے علاوہ نیک و بد سب کچھ ہوتے دیکھا۔ ایک وقت میں سیکڑوں لوگوں کو کھانا کھاتے دیکھا تو رت جگے بھی اس کا حصہ رہے ،انتہائی

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

> پر رونق اور آباد گھر تھا ۔مہر ظفر اللہ دل والے اور شوقین مزاج بھی ۔اللہ نے دنیاوی بخت لگا دیے اور ساری عمر صحت مند زندگی گزاری ۔سیاست کی وجہ سے دن میں خاص ہو عام لوگوں کے آنے سے رش رہتا تو شامیں ان کی اپنی ہوتیں۔"(۱)

جھنگ سے بڑی بڑی سیاسی شخصیات تعلق رکھتی ہیں ۔ان میں سے زیادہ تر جاگیردار اور گدی نشین ہیں۔ مقامی سیاست پر ان کی اجارہ داری ہے ۔پنجاب کی روایت بھی ہے ۔ملک کے دوسرے صوبوں کی طرح یہاں بھی وڈیرے جاگیردار ہی اسمبلی پہنچتے میں کامیاب ہوتےہیں ۔عام آدمی الیکشن میں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور نہ الیکشن کے اخراجات برداشت کر سکتا ہے ۔اور سب سے بڑی بات نہ عوام عام آدمی کو امیدوار کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات محفوظ ہو چکی ہے کہ اسمبلی میں صرف وڈیرے جاگیردار، صنعت کار اور بڑی بڑی گدیوں کے مالک پیر ہی جا سکتے ہیں۔ مصنف جھنگ کی صورت حال اس لیے مختلف نہیں بتاتے ۔وہ لکھتے ہیں کہ جنرل ضیاءالحق جب بہاولپور حادثے میں فوت ہو گئے تو

> "اس حادثے کے بعد ہونے والے جنرل الیکشن میں سادہ اکثریت سے کامیاب ہو کر بھٹو کی دلیر بیٹی بے نظیر نے وزارت عظمٰی کا حلف اٹھایا تو اپنے نامورباپ کی معزولی اور پھانسی کا بدلہ کسی حد تک چکا دیا ۔ہمارے ضلع میں عابدہ حسین اور مہر ظفر اللہ سین سے آؤٹ ہوئے تو فیصل صالح حیات(شاہ جیونہ کے گدی نشین) اور ستیانہ سے نوجوان محمد نواز کامیاب ہوگئے۔ اس طرح سے مکھیانہ سے محمد اسلم کی محنت رنگ لائی اور وہ ایم پی ایم منتخب ہو گئے ۔مرکز میں پیپلز پارٹی نے حکومت بنائی تو پنجاب اسٹیبلشمنٹ کی کوششوں سے میاں نواز شریف کے ہاتھ رہا۔"(۲)

ماضی میں سیاست پاکستان جس رنگ میں ہوئی اس کا احوال بھی اس آپ بیتی میں بیان کیا گیا ہے۔ اقتدار کی رسہ کشی نے ملک کو آگے نہ بڑھنے دیا ۔کبھی بھی کسی جماعت کی اکثریت کا احترام نہ کیا گیا ۔سازشیں ہر دور میں ہر رنگ میں قائم و دائم رہیں۔ قائداعظم محمد علی جنا ح کی وفات کے بعد ہی سے ملک سیاسی عدم استحکام کا شکار ہو گیا۔ اس بات کا اندازہ ملک کے پہلے وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان کے قتل سے لگائیں کہ اس کے قاتل کو گولی مار کر اصل حقائق تک پہنچنے کا راستہ ہی بند کر دیا۔ ایک فالج زدہ بیو روکریٹ غلام محمد نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد جنرل ایوب کی آمریت کا لمبا عرصہ ملک کے نصیب میں لکھا گیا ۔یحییٰ خان نے جیسے اقتدار سنبھالا جس کا نتیجہ ملک ٹوٹنے کی صورت میں حاصل ہوا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی نے ملک

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

کو نیا آئین دیا مگر وہ بھی پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیے گئے۔ پھر آمریت نے ملک میں جنرل ضیا ءکی صورت میں واپسی کی تو ملک میں سیاسی نظام مفلوج ہو کر رہ گیا۔ بہاولپور طیارہ حادثے میں جنرل ضیا ءکا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ملک میں دوبارہ سیاسی نظام بحال ہوا ۔بھٹو کی بیٹی بے نظیر ملک میں واپس آئی۔ انتخابات کے نتیجے میں سیاسی نظام بحال ہوا۔ اس کے بعد اسٹیبلشمنٹ نواز شریف کو بے نظیر کے مقابلے میں لے آئی اور وہ وزیراعلیٰ پنجاب بن گئے ۔اس کے بعد سیاست میں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے والی روایت پروان چڑھنے لگی۔ ایک دوسرے کے بندے خریدے جانے لگے۔ مصنف اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

> "ایبٹ آباد میں ڈپٹی کمشنر تو رو تھے ۔خاندانی، ببیبا بھلے مانس آدمی جن کی وجہ سے اے سی (یو ٹی) کا وقت آرام اور سکون سے گزر گیا ۔ایک بار ان کے موجودگی میں ہری پور کے مشہور سیاسی شخصیت راجہ سکندر زمان نے سبق آموز اور دلچسپ واقعہ سنایا کہ بے نظیر کی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کے سلسلے میں وہ غلام مصطفی جتوئی اور سندھ سے مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے چند دیگر ایم این ایز کے ساتھ تھرسے منتخب ایم این اے رانا چندر سنگھ سے ملنے گئے اور مدد کے طلبگار ہوئے۔ رانا صاحب کی مثبت ہاں کے بعد کسی مسلمان ساتھی نے چاہا کہ گیتا سامنے رکھ کر دعا لیں تو رانا صاحب کو غصہ آگیا اور گویا ہوئے کہ یہ رانے کا وچن ہے جس پر سر کٹ جائے گا لیکن زبان سے نہیں پھرے گا البتہ جتوئی صاحب اپنے مسلمان ساتھیوں پر نگاہ رکھنا، خدشہ ہے کہ یہ اپنی مقدس کتاب پر دیائےگئے حلف سے مکر نہ جائیں۔ راجہ سکندر زمان بتاتے تھے کہ ایسا ہی ہوا رانا صاحب نے جتوئی صاحب کا ساتھ دیا جبکہ وہاں موجود تمام مسلمان ایم این ایزآخر میں پیپلز پارٹی کے ہم نوا بن گئے ۔" (۳)

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ملک کے ساتھ مخلص لوگ اجتماعی مفاد کی سوچ رکھتے ہیں ۔وہ ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر مملکت خداداد میں روایت الٹ سمت میں چل نکلی۔ یہاں پر سیاست دان اقتدار میں آتے ہی اپنی پسند کی بیوروکریسی کی اہم عہدوں پر تعیناتی شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے سرکاری آفسران کو دشمن گردانتے ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ وہ سیاست دانوں کے ذاتی مفادات کو تحفظ نہیں دیتے۔ من پسند بیوروکریٹ سے وہ اپنی مرضی کے کام نکلوا سکتے ہیں ۔ان کی اپنی کرپشن کا نظام چلوا سکتے ہیں ۔اور ان کی کرپشن کا تحفظ دے سکتے ہیں۔ ایسا ہر دور میں ہوا ہے۔ اس کا ذکر بابر حسن بھروانہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ

> "واپڈا کے چیئرمین جنرل ریٹائرڈ زاہد علی اکبر تھے جو وزیراعظم کو

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

پسند نہیں تھے لیکن میاں صاحب کی آمد کا سن کر وہ اپنے چھوٹے سرکاری جہاز میں ڈیرہ پہنچ گئے ۔" (۴)

بابر حسن بھروانہ اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس ملک میں کون ہے جس نے اقتدار کا ذاتی فائدہ نہ اٹھایا ہو ۔اقتدار میں موجود لوگوں کے لیے کوٹھیاں، گاڑیاں اور پلاٹ بنانا بالکل مشکل نہیں ہے۔ اسلام آباد جب نیا شہر بسایا گیا تو اس کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں

"یہ بھی مشہور ہے کہ جہاں اسلام آباد کے قیام کے وقت اس دور کے ہر صاحب اقتدار میں بہتی ہوئی گنگا میں ہاتھ دھوئے " (۵)

پہلے چونکہ کراچی دارالحکومت تھا۔ اس میں پہلی دستور ساز اسمبلی موجود تھی۔ ایوان صدارت سمیت اہم تمام اہم دفاتر کراچی میں موجود تھے ۔مگر جنرل ایوب خان کو ایک نیا شہر بسانے کا خیال اس لیےبھی تھا کہ مقتدرہ حلقہ نئی جگہ پر زیادہ خوشی محسوس کرے گا ۔ان کے لیے دولت کے نئے مواقع میسر ہوں گے۔ اسی لیے نئے شہر کے قیام کی وجہ سے جرنیلوں، بیوروکریٹس اور سیاستدانوں کہ ہاتھ میں نئی سونے کی چڑیا آگئی۔ یہاں پر انہوں نے ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ اس شہر میں ہر مشہور شخصیت نے اپنے پلاٹ بنائے ۔خوب سرمایہ اکٹھا کیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کو نیا آئین دیا ۔ملک میں جمہوریت پنپنے لگی ہی تھی کہ وہ آمریت کو ایک آنکھ نہ بھائی ۔جنرل ضیاء الحق بھٹو کی اقتدار میں نہایت شریف جرنیل کے طور پر جانے جاتے تھے ۔مگر انہوں نے ہی بھٹو کے اقتدار کا تختہ الٹ کر اسے جیل میں قید کر دیا۔ بات یہاں تک نہ رہی آخرکار تمام دنیا کے سربراہ مملکت کی بھٹو کو بچانے کی کوششیں کے باوجود اسے پھانسی دے دی گئی۔ اس کے ایک عرصہ بعد جنرل ضیاء الحق نے ایک غیر جماعتی الیکشن کروائے۔اس اسمبلی نے محمد خان جونیجو کو وزیراعظم پاکستان کے طور پر چنا ۔جس کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں۔

"جونیجو صاحب کم گو ،سادہ ،دیہاتی طرز کے شریف انسان لگے لیکن ضیاءالحق شاطر ،تیز، وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر چلنے والا ایسا حکمران محسوس ہوا جس کو سفارت کاری اور سیاسی امور پر مکمل عبور ہو چکا تھا ۔"(۶)

ہر آمر کی طرح جنرل ضیاءالحق بھی اپنے آپ کو عقل قل سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے آئین و قانون کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ جس طرح کا قانون چاہتے تھے ویسا بنا لیتے تھے ۔انہوں نے عدلیہ اور مقننہ کو مکمل طور پر اپنے قبضے میں لیا ہوا تھا۔ بقول مصنف

" آئین ان کے سامنے کاغذ کے چند ورقوں پر مشتمل دستاویز تھی،سیاست

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

دانوں کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ میں جیسے چاہوں یہ ویسا کریں گے" (۷)

مصنف کہتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق کے اے ڈی سی ان کے بیج میٹ رہے۔ ان کے بقول جنرل ضیا ایک تو ہم پرست انسان تھے۔ انہوں نے ملک کے ہر شعبے کو بہت نقصان پہنچایا۔ وہ اپنے آپ کو تمام ملکی امور کا ماہر سمجھتے تھے۔ انہوں نے سیاست دانوں کو اپنے آگے جھکنے والا بنایا ۔جو ان کے سامنے گھٹنے ٹیک لیتا وہ وزیر یا مشیر اہم عہدے کا حقدار ہو جاتا۔ ان کے دور میں بہت سے مفاد پرست سیاستدان اہم عہدوں پر اقتدار کے مزے لوٹتے رہے۔ اور حزب اختلاف نے ان کے دور میں سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی۔ اس کی بیٹی اور بیوی کو لمبے عرصے تک جیل میں رکھا گیا۔ ان کے ساتھ ساتھ ہزاروں جیالوں کو قید کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ پیپلز پارٹی سے وابستگی بہت سے کارکنان کا جرم بن گئی۔ جنرل ضیا ءنے اپنے دور میں انتقام کی سیاست کی ۔اس نے اپنی طرف سے ملک کی بڑی سیاسی جماعت کا خاتمہ کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن بہاولپور کے طیارے کے حادثے میں اس کا اپنا خاتمہ ہو گیا۔

جب بھی نئی حکومت بنی وہ اپنے چہیتے سرکاری افسران کو بڑے سرکاری عہدوں پر لے آئی۔ جہاں حکومت میں بیٹھے سیاست دانوں نے اقتدار کے مزے لوٹے تو اس کے ساتھ ان کی پسندیدہ بیوروکریسی بھی مالا مال ہو گئی ۔اس طرح مصنف اپنی بطوراسسٹنٹ کمشنر عارف والا تعیناتی کا احوال بیان کرتے ہیں ۔جب وہ پنجاب میں تعینات ہوئے تو اس وقت ضلع ساہیوال کے ڈپٹی کمشنر خواجہ نعیم تھے ۔جو کہ نواز شریف سے بڑی قربت رکھتے تھے ۔ان کے پسندیدہ افسران میں شامل تھے ۔وہ خواجہ آصف کے قریبی رشتہ دار تھے ۔ان کی کرپشن کی کہانی بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں کہ

" ان دنوں اسلحہ کے لائسنس کی فیس ڈی سی آفس میں وصول کی جاتی تھی جس کا کوئی آڈٹ نہ تھا ،ان کے جانے کے بعد جتنے منہ اتنی باتیں ۔"(۸)

خواجہ نعیم کے تبادلے کے بعد جو نئے ڈپٹی کمشنر ساہیوال تعینات ہوئے ان کا نام رانا شوکت تھا۔ وہ اپنے بارے میں بتاتے ہیں کہ جب انہیں ڈپٹی کمشنر گجرات تعینات کیا گیا تو ان کو ہدایات دی گئی تھیں ۔وہاں میاں صاحبان کے سیاسی حریف چوہدری صاحبان ہیں۔ ان کو خوب دبا کر رکھنا ہے ۔مگر ان کے مطابق انہوں نے خوب دانشمندی سے کام لیا ۔انہوں نے تعیناتی کے بعد چوہدری صاحبان سے ملاقات کی، انہیں بتایا کہ آپ میرے رویہ سے پریشان نہیں ہونا میں آپ کے مفادات کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب اقتدار لوگ ہر اے

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

سی، ڈی سی اور ایس پی اپنی مرضی کا اس لیے لگواتے ہیں کہ ان کے ذریعے اپنے سیاسی مخالفین کو دبایا جا سکے ۔ان کو مالی اور سیاسی طور پر نقصان پہنچایا جا سکے۔

جنرل ضیاء کے بعد صدارت کی کرسی پر اس وقت کے سینٹ کے چیئرمین براجمان ہو گئے۔ آنے والے دس برسوں میں ان کی ایک ہی اہم ذمہ داری ہی نظر آئی،۔اسمبلی کو تحلیل کرنا اور وزیراعظم کو معزول کرنا۔ بے نظیر اور میاں نواز شریف کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی جاری رہی۔اور اس میں صدر غلام اسحاق خاں اہم کردار ادا کرتے رہے۔ بقول مصنف

" کچھ دنوں سے میاں نواز شریف نے اپنے آپ کو منوانے یا سیاسی قد اونچا کرنے کے چکر میں اسٹیبلشمنٹ اور صدر اسحاق خان کو آنکھیں دکھانی شروع کر دی تھیں، قوم سے خطاب کرتے ہوئے ایسی باتیں کہہ گئے۔ جس کے بعد وہ وزیراعظم نہیں رہ سکتے تھے۔(اور ایسا ہی ہوا)لیکن آئندہ کے لیے صحیح معنوں میں عوامی لیڈر بن گئے ۔صدر نے اسمبلیاں تحلیل کر دی جنہیں سپریم کورٹ نے بحال کیا لیکن کچھ عرصہ بعد تمام فریقین کی باہمی مشاورت سے مرکز اور صوبوں میں حکومتوں اور اسمبلیوں کو ختم کر کے الیکشن کرنے کا اعلان کر دیا گیا ۔فوج کے پریشر میں صدر غلام اسحاق خاں اور وزیراعظم نواز شریف گھر سدھارے ۔پنجاب بلکہ پورے ملکی انتظامی مشینیری تبدیل کر دی گئی " (۹)

مصنف نے سیاست کا ایک خوفناک منظر نامہ بھی دکھایا کہ سیاست بہت بے رحم کھیل ہے ۔اس میں لالچ اور اقتدار کی ہوس کے علاوہ کچھ نہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان کی سیاست کچھ اس طرح کا رخ اختیار کر چکی ہے ۔یہاں سیاست میں ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ حزب اختلاف کو جیلوں میں ڈالنا ان کو تکلیف دینا ہماری ریاست کی سیاست کاایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ ہر جماعت جب اقتدار میں ہوتی ہے تو وہ حزب اختلاف کے سیاسی کارکنان سے سیاسی انتقام لیتی ہے۔ احتساب کے اداروں کو اپنے گھر کی لونڈی سمجھتی ہے۔ لوگوں کی املاک کو ناجائز ضبط کر لیا جاتا ہے۔حالانکہ جان لینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

بےنظیر بھٹو ملک کی وزیراعظم تھی۔ ان کے اقتدار میں سندھ پولیس نے ان کے بھائی مرتضیٰ بھٹو کا قتل کیا۔ اس کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں

" بھکر میں ہی تھا کہ کراچی میں جان کا حادثہ پیش آیا جس میں وزیراعظم پاکستان کا جاذب نظر بھائی اور سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کا جواں سال (Flamboyant) بیٹا مقامی پولیس کی گولیوں کی نظر ہو گیا۔ اتنے

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

سال گزرنے کے باوجود معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے مارنے کی سازش کہاں سے تیار ہوئی تھی۔ بے نظیر اندر سے ٹوٹ گئیں لیکن بیگم نصرت بھٹو تو جیتے جی ختم ہو گئیں۔ "(۱۰)

ہمارے سیاست پسند اور نا پسند کے گرد گھومتی ہے ۔نواز شریف کے چھوٹے بھائی شہباز شریف بھی جب جب پنجاب کے وزیراعلیٰ بنے تو انہوں نے اپنے پسندیدہ افسروں کو تو موجیں کروائیں ۔مگر ناپسندیدہ کے لیے وہ قیامت کے عذاب سے کم نہ تھے ۔ان کی ناپسندیدہ بیوروکریسی یا تو وفاق میں بھیج دی جاتی یا پنجاب میں بے عزت کرنے کے لیے تعینات کی جاتی ہے۔ وزیر اعلیٰ کا طریقہ کار یہ ہوتا کہ روزانہ سات بجے سیکٹریز کی میٹنگ بلائی جاتی اور ناپسند افسران کی روزانہ بےعزتی کی جاتی۔ وزیر اعلیٰ کسی ضلع کے دورے پر جاتے تو کئی محکموں کے افسرمعطل کر کے آتے۔ ان کو جیسے اس عمل کے سوا کچھ آتا ہی نہ تھا۔ بقول بابر حسن بھروانہ

" فیصل آباد میں جب بھی وزیر اعلیٰ شہباز شریف کی آمد ہوتی انتظامیہ میں تھرتھلی مچ جاتی۔ کمشنر صاحب کی رات کی نیند اڑ جاتی ہے اور دن بھی پریشان گزرتا ۔" (۱۱)

مصنف نے ایک حقیقت بیان کی ہے کہ ہماری بیوروکریسی نے کچھ حقائق کسی حکم کے سامنے پیش نہیں کیے ۔جیسے حاکم کی مرضی ہوتی ویسا ہی منظر نامہ پیش کیا جاتا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک سرکاری افسر نے نہایت ایمانداری سے محکمہ بھی چلایا ہو میرٹ کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہو۔ کسی کرپٹ ملازم کو سزا دینے میں کسی قسم کے دباؤ کا خیال نہ کیا ہو ۔سرکاری پیسہ صحیح جگہ پر استعمال کیا ہو ۔اور حاکم میں وقت کو بھی بتا یا ہو کہ کام صرف میرٹ پر ہوگا ۔ایسا بیوروکریٹ شاید اس نظام میں موجود نہیں۔ کیونکہ وہ تو تعیناتی سے لے کر ہر موقع پر حاکم وقت کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے اس بات کا بلکل اندازہ ہے کہ اگر وزیر اعلیٰ یا حکومت میں بیٹھے لوگوں کو خوش نہ رکھا، ان کی مرضی کے مطابق کام نہ کیا تو اس عہدے پر بیٹھنا مشکل ہو جائے گا۔ ان کی ناراضگی کی صورت میں او ایس ڈی بھی لگایا جا سکتا ہے ۔وفاق میں بھیجا جا سکتا ہے ۔اس سے بھی آگے دوسرے صوبوں میں تعیناتی ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ لاہور کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتا کیونکہ یہاں ان کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔اس کو اعلیٰ سرکاری رہائشیں ملی ہوئی ہیں۔ ان کا خاندان خوشحال زندگی گزار رہےہیں۔ بابر حسن بھروانہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے آج تک کوئی ایسا عوامی نمائندہ ،سول سرونٹ یا سول سوسائٹی کا پھنے خاں نہیں دیکھا جس نے حاکم وقت سے اختلاف کیا ہو ۔یہاں صرف مفادات کا کھیل کھیلا جا رہا ہے ۔یہاں ایک چھوٹے سے ملازم سے لے کر صوبے کے سربراہ تک

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

کوئی ملک کا نہیں سوچتا۔ ہر کسی کو اپنے لیے روپیہ چاہیے چاہے وہ ناجائز یا نا جائز ذرائع سے حاصل ہو ۔وہ اپنی اولاد کو تمام تر سہولتوں اور اپنی بیگمات کا وسیع شاپنگ کروانے کے لیے ہر کام کر سکتے ہیں۔ ایسا ضمیر شاید ان عہدوں پر بیٹھے لوگ رکھتے ہی نہیں جو ان کو ایمانداری کی طرف بلاتا ہو۔

مصنف نے بھی جرات مندی کا مظاہرہ کیا۔ اپنی آپ بیتی میں کرپشن کو سامنے لانے کی کوشش کی۔ کرپشن پوری طرح ریاستی اداروں میں اپنی جڑیں گاڑھ چکی ہے۔ ہر جگہ ہر عہدے پر بیٹھا شخص کرپشن میں کسی نہ کسی حوالے سے ملوث ہے ۔ایک چھوٹے سے دفتر سے لے کر صوبے کے بڑے ایوان تک کرپشن بد عنوانی کا راج ہے ۔اس سے کوئی انسان پاک نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس کے اس کے خاتمے کی کبھی سنجیدہ کوشش ہی نہیں کی گئی ۔صرف دکھاوے کے لیے احتساب کے ادارے موجود ہیں۔ صوبے کرپشن کو روکنے کے لیے ایک مخصوص ادارہ موجود ہے۔ مگر اس میں بھی کرپشن کے ڈیرے ہیں۔ وہاں بھی روزانہ لوگ پیسے کا لین دین کر کے اپنے بد عنوانی کو فائلوں میں دفن کروا دیتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں کہ

جب وہ پنجاب میں محکمہ انہار میں تعینات تھے تو اس وقت مشرف کی حکومت تھی۔ جنرل مشرف نے نائن الیون کی وجہ سے امریکہ کا ساتھ دیا تھا تو ملک میں خوب پیسہ آرہا تھا۔ وہ پیسے کئی ایسے منصوبوں پر لگائے جا رہے تھے جن کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بابر حسن بھروانہ کی یہ صرف آپ بیتی ہی نہیں بلکہ کرپشن کا ایک نوحہ ہے ۔پنجاب میں پیسہ وہاں لگا جا رہا ہے جہاں اس کی ضرورت ہی نہ تھی ۔

"پانی کم تھا لیکن نہریں چوڑی کی جا رہی تھیں۔ یعنی گھر میں کھانا پورا نہیں ہو رہا تھا لیکن مالک ڈنر سیٹ قرضے پر حاصل کر رہا تھا ۔محکمہ والے تو سندھ طاس کے وقت خاموش رہے تھے اب کون زبان کھولتا ویسے بھی چند سر پھیروں کے علاوہ سب اس حمام میں نہا رہے تھے جہاں پانی کے بجائے پیسہ برس رہا تھا۔" (۱۲)

محکمہ کے سیکرٹری بھی ایک بے دید انسان تھے ۔بابر حسن بھروانہ لکھتے ہیں کہ وہ اوپر والوں کو خوشنودی حاصل کرنے کی کے لیے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے ۔مگر نیچے والوں کے لیے سختی دکھائی جاتی ۔ وزیراعلیٰ کے پاس بہت سے عوامی نمائندہ جاتے ۔ محکمہ انہار کے سیکرٹری نام رکے اور فون کرواتے ،مگر سیکرٹری صاحب بہت شاطر انسان تھے۔ وہ نہایت عمدگی سے سفارشیوں کو ٹال دیتے۔ وہ جانتے تھے کہ کس کام کرنا ہے کس کا کام نہیں کرنا ۔کیونکہ وزیراعلی پنجاب سیاستدان ہونے کے ناطے ہر عوامی نمائندے کا رکا لکھ دیتے تھے۔ اس کے اصرار پر فون کر دیتے ۔مگر سیکرٹری صاحب کا معلوم تھا کہ

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

کس رکے میں کتنے جان ہے ۔مگر ارکان اسمبلی ان کے رویہ سے ہمیشہ شاکر ہے ۔
سیاست دانوں کے بے جا مداخلت نے محکموں کی کا رکردگی کو ہمیشہ متاثر کیا۔ بھروانہ اپنے بطور ڈی سی او وہاڑی تعیناتی کے دوران ایک واقعہ بیان کرتے ہیں ۔

"اب یہ حال تھا کہ ایک بار ڈی سی او افس میں دوران میٹنگ ای ڈی او ایجوکیشن جو ایک مضبوط عصاب کی محنت کرنے والے خاتون تھی ،کے مسئلہ پر بورے والا سے ایک ایم این اے اور صوبائی وزیر چشتی صاحب میں لفظی جنگ فورا ہی یہ ایک دوسرے پر شیشے کے گلاس پھینکنے میں بدل گئی۔ ڈی پی او اور پولیس پہنچ گئی لیکن معاملات دونوں کی جگہ ہنسائی تک محدود رہا ۔بعد میں وزیراعلی ؒنے نوٹس لیا لیکن ہمارے ہاں کے ہر معاملے کی طرح نوٹس ہی رہا ۔اس خاتون افسر کی شبانہ روز کاوش کی وجہ سے وہاڑی وزیر اعلی ؒکے وضع کردہ تعلیمی سسٹم میں متعدد بار صوبہ بھر میں سر فہرست رہا جس پر کئی بار چیف سیکرٹری کی میٹنگ میں شاباش ملی۔ " (۱۳)

بابر حسن بھروانہ کی یہ آپ بیتی سماجی رنگوں سے بھرپور ہے۔ وہ دیہات سے تعلق رکھتےتھے۔ ان کا خاندان سیاسی تھا ۔وہ گاؤں میں متحدہ خاندان کی صورت میں رہ رہے تھے ۔جہاں رونق ہی رونق تھی۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں کہ

" زندگی کے ابتدائی پانچ سال یادوں سے بھرے اسی گاؤں میں گزرگئے اور لاشعور میں صرف قریبی رشتہ داروں(یعنی دادا کی اولاد) کے خاکے محفوظ یا فکس ہو کر رہ گئے یا پھر دو ماسیاں جن سے بڑی خالہ غلام زہرا ہمارے گھر کا فرد تھی اور چھوٹی خالہ جنہیں ہم بی آپا کہتے (کی شادی مہر تاج محمود کے بیٹے) مہر ریاض حسین سے ہوئی جن کا گھر ہمارے گھر سے چند قدموں کے فاصلے پر تھا ۔" (۱۴)

آپ بیتی نگار اپنے بچپن کو اور دیہات میں رہن سہن کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے لیے سب کچھ یہ چھوٹا سا گاؤں اور اس کے باسی تھے۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں، پسند ناپسند سب کا تعلق اس چھوٹی سی بستی سے منسوب تھا ۔سب سے بڑھ کر ہمارے باپ چچا بھی صرف اپنے آپ میں مگن رکھتے تھے۔ ان کا تعلق یا رشتہ داریاں پرانے گاؤں میں تھیں لیکن ان کی تمام دلچسپیاں اور ان کا محور وہ خود تھے ۔اور حکیم لقمان سے پوچھے گئے اس سوال و جواب کے زندہ مثال ۔جس میں پوچھا گیا تھا بھائی بہتر ہوتا ہے یا دوست؟ تو اس نے دانا جواب دیا کہ "بھائی بہتر بشرط یہ کے دوست ہو۔"

بقول آپ بیتی نگار

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

" تینوں چھوٹے بھائیوں کے بقول اتفاق کی بنیاد بڑے بھائی مہرتاج محمود نے اس وقت رکھی جب شادی کے بعد مروجہ رسم کے مطابق انہیں علیحدہ گھر بسانے کا کہا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ انفرادی حیثیت کے بجائے اپنے باپ مہر مہپال کہ ہم مشترکہ خاندان کا فرد کہلانا پسند کروں گا۔" (۱۵)

مصنف بچپن کی یادوں میں ناصر آباد والا گھر، وہاں پر ماں کے پیار بھرے اور مقدس وجود کا احساس، اس کے ہاتھوں کا بنا بورا اور رات کی باسی روٹی پر لگا مکھن نہیں بھولتے۔ گاؤں میں لوگ اچھے اور حق گو ہ تھے ۔وہ اپنے والد کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے نزدیک ان کے بڑی صفت سخاوت تھی ۔لیکن میرے لیے فخر کی بات ان کی حق گوئی اور خوف خدا تھا ۔میں نے ہوش سنبھالا تو والد کو اللہ کے حضور گڑگڑاتے اور التماس کرتے ہی پایا جوانی جیسے گزری ہو لیکن جب ہم نے دیکھا تو اللہ اللہ کرتے یا مرشد کی یاد میں اور ان کے عطا کردہ وہ وظائف ہی ان کی زندگی کا سرمایہ تھے۔ مصنف اپنے مرشد خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ کو بھی یاد کرتے ہیں کہ میرے بچپن کی یادوں میں والد اور گھر والوں کے ساتھ خانیوال اور وہاں سے آگے قطب پور ریلوے اسٹیشن کا ٹرین کا سفر گہرے نقوش چھوڑ گیا ۔خواجہ صاحب کا گاؤں قادر پور وہاں سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اسٹیشن پر ہمارے قافلے کو لینے کے لیے خواجہ صاحب کی گاڑی آئی ہوئی تھی ۔میں نے اپنے والد کی خواجہ صاحب سے ملاقات کا احوال لکھا ہے۔ لیکن قطب صاحب رحمۃ اللہ عام طور پر بیت کے عمل سے اجتناب کرتے، اس لیے کم لوگ ان سے براہ راست فیض یاب ہو سکے۔

مصنف اپنے دور کے سکول کے ماحول کو بھی نہیں بھولتے انہوں نے سیکرڈ ہارٹ سکول میں داخلہ لیا ۔وہ سکول تعلیم کے لیے ۱۹ویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں عیسائیوں نے سیکرڈ ہارٹ کے نام سکولوں کی ایک چین قائم کی اس کا حصہ تھا۔ ہندو پاک کئی شہروں میں سکولوں کی شاخیں کھولیں گئیں ۔جن میں جھنگ بھی شامل تھا۔ جہاں پاکستان کے بننے کے بعد ۱۹۵۰ عیسوی کی دہائی میں سول لائن میں کچہری روڈ پر سیکرڈ ہارٹ سکول کی بنیاد رکھے گئی۔ جب میں داخل ہوا تھا اسکول کی پرانی عمارت بڑے بڑے کمروں اور کھلے برامدوں کے ساتھ پورے سکول کا بوجھ اٹھا رہی تھی ،لیکن اگلے ہی سال نئی عمارت تیار ہو گئی ۔جس کی شان و شوکت ہمیں کسی شاہی محل سے کم نہ لگی تھی۔

میری بدیسی اساتذہ اپنا وطن، ثقافت، زبان، رشتے اور ماحول چھوڑ کر ہزاروں میل دور جھنگ جیسے دور افتادہ علاقے میں کسی خاص جذبے کے تحت ہی آئی تھی ۔پھر ساری عمر اس مشن میں گزار کررا ہی ملک عدم ہوتیں۔

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

بچپن کی یادوں میں دھجی روڈ سے آگے دسویں محرم کا جلوس ،زنجیر کا ماتم اور پانی کے سبیلیں ذہن پر نقش ہیں۔ وہاں ہم اس دور کے مشہور حکیم میاں دوست علی بلوچ کے گھر سے یہ نظارہ دیکھتے ۔شہر میں رونق دو شہید روڈ سے شروع ہوتی یا پھر ریل بازار خریداروں سے کھچا کھچ بھرا ہوتا یوں لگتا ہے کہ جھنگ کا انارکلی بھی یہی ہے اور بانو بازار کی طرز کا رش بھی اسی جگہ ہے۔

مصنف اپنے گاؤں کا حوال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

"گاؤں میں بھی ابھی بجلی نہیں آئی تھی (یہ دنیاوی نعمت ہمارے گاؤں میں ۱۹۷۳ میں پہنچی تھی)اس لیے کنکریٹ والے پکے گرم ہوتے (ہماری دوپہریں گھنے پیڑوں کی چھاؤں یا اس موسم کے حوالے سے بنی کچی بارہ دری جسے ہماری زبان میں "چھون" کہا جاتا ہے گزر جاتی)۔" (۱۶۔)

مصنف بیان کرتے ہیں کہ تندور گاؤں کی عورتوں کے لیے تفریح گاہ تو تھے۔ وہاں کے جھوٹے سچے معاشقے، بیرونی قصے، واقعات اور کئی کہانیاں تندور کے گرم ماحول میں جنم لیتی اور موضوع بحث بنتی۔ بیبیاں دلوں کی بھڑاس سکھیوں کے ساتھ نکال کر ذہنوں کا بوجھ کسی حد تک ہلکا کرتی ہوئی گھروں کی راہ لیتیں اور دائی جو اس گاؤں کے معاشرے کی بہت سی کہی اور ان کہی کہانیوں سے آگاہ ہوتیں، ان رازوں کی اصلیت اور تندور کی حدت سے مزید کندن بن جاتی ۔ لوہار ،دھڑکان اور نائی کی طرح پنجاب کے دیہاتوں میں دائے کا بھی اہم کردار ہوتا تھا۔وہ ذمہ داروں کے گھروں میں پانی بھرتے، تندوروں کے لیے ایندھن(بالن) اکٹھا کرتے ہوئے دیہاتیوں کی سواری کے لیے اونٹ بھی رکھتے۔

بابر حسن بھروانہ لکھتے ہیں کہ

"میرے خاندان کے اکثر بزرگوں کی موسیقی سننے یا ہارمونیم وغیرہ بجانے میں دلچسپی رہی َ۔"(۱۷)

منصف بہار کے موسم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ سردی کا زور ٹوٹتا ،بہار آتی تو لاہور اور رنگوں میں نہا جاتا ایک طرف عوامی میلہ پر رونق ہوتی تو فروری کے شروع میں بکھری سنہری دھوپ میں نیلا آسمان رنگ برنگے پتنگوں سے سج جاتا۔ بابر حسن بھروانہ بطور ڈی سی او وہاڑی اپنی یادوں کو بیان کرتے ہیں کہ

"میلسی میں ایک چھوٹے سے گاؤنمیں شاندار لائبریری دیکھنے کو ملی جو جھنڈیری قوم سے تعلق رکھنے والے غلام احمد اور ان کے بھائیوں کی کاوش کا نتیجہ تھی ۔جنہوں نے بہت خلوص سے محنت ہے انتہائی لگاؤ سے دور دراز علاقے میں علم کا اتنا بڑا خزانہ جمع کیا ہے خدا کرے ان کی آنے والی نسل اس وراثت کو سنبھال سکے ورنہ کہیں زمانے کے دھول

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

میں وہ نایاب کتب ضائع نہ ہو جائیں۔" (۱۸)

بابر حسن بھروانہ کی آپ بیتی "بابر بیتی، زمانے جو خواب ہوئے" بلا شبہ ایک آپ بیتی سے بڑھ کر پاکستان خاص طور پر صوبہ پنجاب کی ایک سیاسی تاریخ کی ایک منفرد دستاویز ہے ۔جس کے ذریعے پاکستان کی سیاست کو بڑے سہل انداز میں سمجھا جا سکتا ہے ۔اس کے ساتھ سماجی شعور کے حوالے سے اس میں بہت سی معلومات ہے۔

حوالہ جات

بابر حسن بھروانہ، بابر بیتی زمانے جو خواب ہوئے، لاہور ،سنگ میل پبلیکیشنز ، ۲۰۲۱ء،ص ۴۸
ایضا"، ص ۱۰۸
ایضا"،ص۱۰۹
ایضا"،ص۱۱۶
ایضا"،ص۹
ایضا"،ص ۱۰۰
ایضا"،ص۱۰۱
ایضا"،ص۱۲۱
ایضا"،ص ۱۲۹
ایضا"،ص۱۳۹
ایضا"،ص۱۵۲
ایضا"،ص۱۷۵
ایضا"،ص ۱۸۷
ایضا"،ص۱۹
ایضا"،ص۱۹
ایضا"،ص۵۰
ایضا"،ص۱۲۲
ایضا"،ص۱۸۲